نام کتاب	:	صریرِ خامہ۔ مجموعہ مقالات و مکتوبات سید وصی مظہر ندوی
مرتب	:	محمد ارشد
ناشر	:	فکر و نظر پبلشنگ کینیڈا، سب آفس: حیدر آباد۔ سندھ ٹیلی فون نمبر: ۰۲۲-۲۷۸۱۳۷۳
صفحات	:	۶۳۸
تبصرہ نگار	:	ڈاکٹر عبدالحی ابڑو ﷺ

مولانا سید وصی مظہر ندوی سے غالباً پہلا تعارف ان کی کتاب **منتخبات من الأدب العربي** کے ذریعے ہوا جو امتحانی بورڈ حیدر آباد سندھ کے مشرقی علوم کے نصاب میں شامل تھی۔ کتاب میں منتخب قرآنی آیات اور احادیث کے علاوہ قدیم عربی نثر و نظم کے شہ پارے شامل تھے۔ کتاب کے بعض موئثر اسباق ذہن میں ابھی تک ثبت ہیں۔ مثال کے طور پر ایک سبق سیرت کے اس واقعے پر مشتمل تھا جب غزوۂ حُنین کے موقعے پر حضور ﷺ نے اموالِ غنیمت تقسیم فرمائے اور انصار کے بجائے مؤلفۃ القلوب لوگوں کو بڑی مقدار میں عطایا دیے تو انصار نے اسے محسوس کیا اور رسول اللہ ﷺ سے شکوہ کیا، جس کے جواب میں آنحضور ﷺ نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:

ألا ترضون أن يذهب الناس بالشاة والبعير، وتذهبون بالنبي إلى رحالكم؟ (کیا تمھیں یہ پسند نہیں کہ لوگ بھیڑ بکریاں لے کر لوٹیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھر لے جاو!)

اس بات سے انصار پر رقت اور گریہ طاری ہو گیا۔ اسی طرح **منتخبات** کی عربی شاعری کے کچھ ابیات بھی ذہن میں تازہ رہتے ہیں، جیسے اندلس کی شاعرہ حمدونہ بنت زیاد کا یہ شعر:

وَقَانَا لَفْحَةَ الرَّمْضَاءِ وَادٍ
سَقَاه مُضَاعَفَ الْغَيْثِ الْعَمِيْمِ

ﷺ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

حَلَلْنَا　　دَوْحَةً　　فَحَنَا　　عَلَيْنَا
حُنُوَّ　　المُرْضِعَاتِ　　عَلَى　　الْفَطِيْمِ

اور ابن الرومی کا یہ شعر:

مَا أَنْسَ لَا أَنْسَ خَبَّازًا　　مَرَرْتُ بِهِ
يَدْحُو الرُّقَاقَةَ وَشْكَ　　اللَّمْحِ بِالْبَصَرِ

اس کے ایک دو سال بعد ایک پروگرام کے سلسلے میں حیدر آباد جانا ہوا جہاں نمازِ جمعہ مولانا کی اقتدا میں جامعہ اسلامیہ ٹھنڈی سڑک کی مسجد میں ادا کرنے کا موقع ملا۔ مولانا نے سیرتِ طیبہ پر دل نشین خطبہ دیا جس کے نقوش آج تک تازہ ہیں۔ اس موقعے پر مولانا سے مختصر نشست بھی ہوئی اور حسبِ استعداد مولانا سے چند طالب علمانہ سوالات بھی کیے۔

مولانا سید وصی مظہر ندوی (۱۹۲۴ء لکھنؤ۔ ۲۰۰۶ء کینیڈا) ممتاز صاحبِ علم و قلم تھے۔ ولادت اور تعلیم و تربیت لکھنؤ میں ہوئی۔ ندوۃ العلما میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، مولانا مسعود عالم ندوی اور مولانا عبد السلام قدوائی رحمۃ اللہ علیہم جیسے عربی ادب کے اساطین سے اکتسابِ فیض کیا اور انھیں کی ترغیب و تربیت سے ۱۹۴۶ء میں ۲۲ سال کی عمر میں جماعتِ اسلامی میں شامل ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کر کے حیدر آباد سندھ آ گئے اور تدریس سے وابستہ ہوئے۔ جماعتِ اسلامی سے وابستگی کے دوران میں لکھنؤ کی شاخ میں جماعت کے خزانچی کے عہدے سے لے کر حیدر آباد شہر، ضلع اور ڈویژن کے امیر، صوبہ سندھ کے قیّم (سیکرٹری) رہنے کے علاوہ تقریباً بیس سال تک مرکزی مجلس شوریٰ اور تقریباً تین سال تک مرکزی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ ۱۹۷۶ء میں جماعت سے علاحدہ ہو گئے۔ کچھ عرصہ جماعتِ اسلامی سے الگ ہونے والے افراد کی قائم کردہ "تحریک اسلامی" سے بھی وابستہ رہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد سے بھی رابطہ رہا۔ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۳ء تک حیدر آباد میونسپل کارپوریشن کے پہلے منتخب میئر اور ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۸ء تک قومی اسمبلی کے رکن رہے۔ مئی تا نومبر ۱۹۸۸ء نگران حکومت میں وفاقی وزیر مذہبی امور رہے۔ دینی، سیاسی اور دستوری موضوعات پر متعدد کتابچے تصنیف کیے۔ کئی تعلیمی اور تربیتی ادارے قائم کیے۔ ملک کے نامور جرائد اور مجلات میں مختلف موضوعات پر سینکڑوں مضامین تحریر کیے اور حیدر آباد سے ہفت روزہ **فروغ** بھی جاری کیا جو کئی سال تک نکلتا رہا۔

مولانا کے تلمیذِ خاص اور معتقد جناب محمد ارشد نے زیرِ نظر مجموعہ مرتب کیا ہے، جس میں مولانا کے چیدہ مقالات و مضامین اور مکتوبات کو یکجا کیا گیا ہے۔ مرتب کا کہنا ہے کہ اگر جملہ تحریروں کو یکجا کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ مقالات کا حصہ درج ذیل بارہ ابواب پر مشتمل ہے:

- ایمان، احسان اور ذکر
- سیرت النبی ﷺ
- امتِ مسلمہ اور اس کا دعوتی کردار
- شمالی امریکہ اور کینیڈا میں اسلام اور مسلمان
- تحریک اسلامی: مسائل و تحدیات
- معاصر فکرِ اسلامی: نقد و احتساب
- اسلام اور نظریہ پاکستان
- اسلام کا نظامِ سیاست و حکومت
- مشاہدات و تاثرات
- یادِ رفتگاں
- تعارف و تبصرہ

دوسرا حصہ مکتوبات کا ہے۔ ان کے مکتوب الیہ حضرات میں سید ابو الاعلیٰ مودودی، سید ابو الحسن علی ندوی، مولانا مفتی محمود، حکیم محمد سعید، نعیم صدیقی، ڈاکٹر غلام مصطفی خان، جاوید احمد غامدی اور مولانا کے صاحب زادے سید قطب الدین حسن وغیرہ شامل ہیں۔

مولانا کی تحریروں سے یہ بات پوری طرح آشکار ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان کی فکر پاکیزہ کردار میں ڈھلی ہوئی، حسنِ عمل، صدقِ مقال و کسبِ حلال، بلند مقصد کے لیے جینے اور اس کے لیے قربانی دینے کا پرتو اور گہرے علم و ادب اور پختہ زبان و بیان کا عکس و آواز ہے۔ قرآن و سنت کا استحضار اور عربی، نیز فارسی اور اردو زبان و ادب سے استشہاد قابلِ رشک ہے۔ اختلاف اور تنقید کرتے ہوئے ادب و احترام کے تمام تقاضوں کی پاسداری کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ مخالف کی چٹکی لیتے ہوئے پتے کی بات اور دل میں گھر کرنے جانے والا فقرہ کہہ جاتے ہیں۔

مولانا کی دینی فکر اور تصور، دین کی جامعیت والی فکر تھی۔ وہ بعض تنظیمی اختلافات کی وجہ سے جماعت اسلامی سے الگ تو ہو گئے تھے مگر انہوں نے تادمِ واپسیں دین کی اسی تعبیر کو جزوی اختلاف کے ساتھ درست سمجھ کر اپنائے رکھا جو مولانا مودودیؒ کی تھی۔ یہ بات ان کی تحریروں سے نمایاں ہے۔ ان کے بقول: "مولانا مودودی علم و فہم دین میں جو مقامِ بلند رکھتے تھے وہ کہیں صدیوں میں جا کر کسی شخصیت کو عطا ہوتا ہے۔" (ص۲۷۸)

زیرِ نظر مجموعے میں شامل تحریریں بعض تو بلند پایہ علمی اور تحقیقی نوعیت کی ہیں، بعض معاصر فکر پر تنقید اور بعض سیاسی اور ملی نوعیت کی ہیں۔ ان کے کئی تجزیے، تنقیدیں اور اخذ کردہ نتائج اپنے اسلوبِ بیان کے لحاظ سے بھی فکر انگیز ہیں۔ یہاں بطور حوالہ ان کے چند نمونے پیش کرنا افادیت سے خالی نہیں ہو گا۔

دین اور اقامتِ دین کے حوالے سے اپنے ایک خطاب میں کہتے ہیں:

> جس طرح "صحت کامل" کی نعمت سے انسان اپنی زندگی کے بہت تھوڑے ہی حصہ میں بہرہ مند ہوتا ہے، اسی طرح دینِ کامل کی نعمت انسانیت کو بہت تھوڑی مدت کے لیے حاصل رہی... عقائد و عبادات کے بعد سب سے زیادہ اہمیت سیاسی نظام کو حاصل ہے۔ اگر اسلام کی تعلیمات کے مطابق سیاسی نظام قائم ہو... تو یہ نظام... تمام شعبوں کو درست کرنے کا اہتمام خود ہی کر لیا کرتا ہے۔(ص ۶۱)

"مصلحین کی جدوجہد میں ہم آہنگی" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> اگر یہ سارے مصلحین اپنی اپنی ترجیحات اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق کام تو ضرور کریں مگر جو کام وہ خود نہیں کر رہے ہیں، اس کام کی اہمیت اور کام کرنے والوں کی قدر و منزلت کا بھی اعتراف کریں تو" کارِ نبوت" اپنی جامعیت کی شان کے ساتھ سارے مصلحین کی مجموعی کوشش کے نتیجے میں کسی نہ کسی حد تک انجام پاتا رہے گا۔(ص ۲۲۲)

مولانا وحید الدین خان کی فکر کا جائزہ لیتے ہوئے ضمناً کہتے ہیں:

> جماعت اسلامی کی کئی ناکامیوں میں ایک اہم ناکامی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے نظام کے اندر اہل فکر و دانش (جو بالعموم میدان سیاست میں سرگرم نہیں ہوتے) کے لیے کوئی ایسا فورم تخلیق نہ کر سکی جو ان حضرات کی سرگرمیوں کا مرکز بنتا اور جماعت کے اندر ان کو وہ عمومی احترام اور مقبولیت حاصل ہوتی جس کے وہ بجا طور پر حق دار تھے۔

مولانا وصی مظہر ندوی مولانا وحید الدین خان کے افکار و نظریات کے بارے میں کہتے ہیں کہ "وہ کتاب و سنت سے متصادم ہونے میں اپنے پیش روؤں: سر سید احمد خان، امیر قادیان اور غلام احمد پرویز سے بھی آگے

ہیں۔"اجتہاد مطلق" کے نام پر شریعت کو منسوخ کرنے کے وہ بہت بڑے وکیل ہیں۔ وہ سیکولرزم کو نعمت غیر مترقبہ مانتے ہیں اور نیشنلزم کے جدید نظریے کے اس حد تک قائل ہیں کہ اس کی بناپر اسلامی اخوت کے عالمی نظام کا موصوف نے انکار کر دیا ہے۔ جہاد بالسیف کو انہوں نے اسلام سے خارج کر کے "دعوۃ ایمپائر" قائم کرنے کا شوشہ چھوڑا ہے"۔(ص۵۳۵) "انہوں نے عدل و قسط قائم کرنے، ظلم اور استحصال کے خاتمے اور الٰہی شریعت کے نفاذ وغیرہ کسی بھی اجتماعی اصلاح کے لیے کسی بھی مرحلے پر طاقت کے استعمال کو ناجائز قرار دے دیا۔ انہوں نے بابری مسجد کے انہدام پر مسلمانوں کے احتجاج کو غلط قرار دے دیا، کشمیری باشندوں کی جدوجہد آزادی کی مذمت کی، قیام پاکستان کو تباہ کن فیصلہ قرار دیا۔ وہ اقبال، قائداعظم اور مولانا مودودی کے بدترین مخالف بن گئے اور جہادو قتال کو اسی طرح منسوخ ٹھہرادیا جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے منسوخ قرار دیا تھا۔ وہ اس راہ میں اتنا آگے بڑھتے گئے کہ متعصب ہندوؤں کی آنکھ کا تارابن گئے۔" (ص۲۲۹)

جاوید احمد غامدی صاحب کی فکر کا جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ضرورت اس بات کی ہے کہ دین کے بنیادی تصورات سے انحراف اور اسلام کو بھکشوؤں کا مذہب بنانے کا یہ کام جو بلامزاحمت جاری ہے اس کے تاروپود کو خالص علمی انداز میں بکھیر دیا جائے تاکہ پھر جو اس راہ کی طرف جانا بھی چاہے وہ کسی غلط فہمی کی بناپر اس طرف نہ جائے... کش مکش زندگی سے اپنے گریز کو صاف صاف طور پر اپنی شکست تسلیم کرنے کے بجائے سو بھیس بدل لینے والی عقل نے ان کو اس راہ پر ڈال دیا کہ وہ دین کے اجتماعی اور سیاسی پہلو کے لیے جدوجہد ہی کو غیر ضروری بلکہ دنیا پرستی سمجھنے لگے اور اظہار (غلبہٗ) دین کو اللہ رب العالمین کا کام سمجھ کر انہوں نے سب مسلمانوں کو اس ذمہ داری سے فارغ کر دیا۔(ص۳۰۰) ہمارے اس مکتب فکر کے علما اور دانش ور مدّعی ہیں کہ خلافت قائم کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں پر فرض نہیں ہے... اس مکتبِ فکر کے علم برداروں کے نزدیک دنیا کے تمام چھوٹے بڑے کاموں میں سے ایک سیاسی خود مختاری اور باطل پرستوں سے اقتدار چھیننے کا کام وہ واحد کام ہے کہ جس کے لیے کسی منصوبے کی ضرورت ہے نہ کسی جدوجہد کی۔ یہ چیز تو بس جب اللہ چاہے گا تب خود بخود حاصل ہو جائے گی۔(ص۳۰۵)

ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک کتابچے پر تبصرے کے ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی فکر کے چند پہلوؤں پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> کتابچے کے آغاز میں اسلام کے انقلابی فکر کو بالاجمال جن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اس کے اندر انفرادی زندگی کی تربیت و تزکیہ اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کا معاملہ اس طرح نظر انداز ہو گیا جس طرح مولانا مودودیؒ کے اصل لٹریچر میں نظر انداز ہوا ہے... چونکہ "ہم سابق متوسّلینِ جماعت اسلامی" کی طرح محترم ڈاکٹر اسرار صاحب کی فکر کی ابتدائی تعمیر و تشکیل بھی مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے ہی ہوئی ہے، اس لیے یہ نقص لاشعوری طور پر ہم سب کے فکر و عمل میں اب بھی موجود ہے۔ (ص ۵۰۴)

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے اپنے تنظیمی ڈھانچے میں بیعت کا جو نظام قائم کیا، مولانا کو اس سے اتفاق نہیں؛ کہتے ہیں:

> جب سے ڈاکٹر اسرار صاحب نے تنظیم اسلامی میں بیعت کا طریقہ اختیار کیا ہے، اس وقت سے وہ اس تنظیم کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ بنا رہا ہے۔ (ص ۵۰۵)

مولانا وصی مظہر نے ڈاکٹر صاحب کے ہاں ایک اور کمزوری کی طرف بھی توجہ دلائی ہے؛ کہتے ہیں:

> جناب ڈاکٹر صاحب کو اپنے اس استدلال اور استنباط پر اتنا شرح صدر ہو گیا ہے کہ انہوں نے قائد کے لیے اصولی طور پر ایک طرح کے "ویٹو" کے حق واختیار کو اپنی تنظیم میں متعارف کرا دیا۔ تاہم دستوری "ویٹو" سے زیادہ خطرناک وہ مزاجی کیفیت ہے جو ڈاکٹر صاحب کی طبیعت میں پیدا ہو گئی ہے۔ وہ اپنی ہر بات، ہر خیال اور ہر سوچ کو اتنی شدت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ کسی کو اس سے اختلاف کی جرأت نہیں ہوتی، اور اگر کوئی اختلاف کر بیٹھے تو اس کا ساتھ چلنا محال ہو جاتا ہے۔ (ص ۵۰۵)

مؤلف نے باب سیرت النبی ﷺ کے ایک مضمون میں رسول اللہ ﷺ کے "آخری تحریری ہدایت نامہ" بنام عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کا باترجمہ متن شامل کیا ہے۔ اس کے متعلق وہ کہتے ہیں:

> یہ[ہدایات]انتہائی مستند ہیں، تحریری اور زبانی سند کے لحاظ سے یہ قطعی طور پر حضور ﷺ کی جاری کردہ ہدایات ہیں جن کے بارے میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ خوش قسمتی سے ہم کو یہ ہدایت ایک سندھی (پاکستانی) محدث امام ابو جعفر دیبلی (م ۳۲۲ھ) کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہیں۔ ان ہدایات سے واضح ہوتا ہے کہ کسی حاکم کی نگاہ میں کن امور کو اوّلیت حاصل ہونی چاہیے اور حاکم کو کن صفات کا حامل ہونا چاہیے۔ (ص۴۷،۴۶)

مضمون ''اک بندۂ عاصی کی اور اتنی مداراتیں'' میں مؤلف نے اپنی آپ بیتی اور روز مرہ زندگی میں سے چند چھوٹے واقعات قلم بند کیے ہیں جن میں ان کے بقول ''رب کریم کے لطف و عنایت کا جلوہ بطورِ خاص نظر آتا ہے اور جن پر شکر ادا کرنے کی توفیق پا کر جو مزہ ملا اور جو خوشی نصیب ہوئی وہ اصل واقعہ پر ہونے والی خوشی اور لطف سے اگر زیادہ نہ بھی ہو تو کم بہر حال ہرگز نہ تھی۔''مؤلف چاہتے ہیں کہ ان واقعات کو سن کر ہماری غفلت دور ہو، ہم اپنے رب کریم کے الطاف و عنایات پر نظر رکھنا سیکھیں اور ان کو محض ''اتفاق'' کا نام دے کر شکر ادا کرنے سے محروم نہ رہیں۔ یہ پورا مضمون بصیرت افروز اور بے حد اثر آفرین ہے۔

کتاب کی ترتیب، مشینی کتابت، کاغذ کا انتخاب، سرورق اور گرد پوش کے ساتھ پختہ جلد سے مرتب و ناشر کے عمدہ ذوق کا اظہار ہوتا ہے۔ پروف خوانی باریک بینی سے کی گئی معلوم ہوتی ہے، مرتب کے بقول عربی عبارتوں کے پروف ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی نے پڑھے ہیں، اس لیے ان میں پروف کی اغلاط تقریباً ناپید ہیں، اگرچہ کچھ بہر حال رہ گئی ہیں۔

پروف کی بعض اغلاط تو سیاق و سباق سے واضح ہیں، البتہ ممکنہ اشتباہ پیدا کرنے والی چند اغلاط کی نشان دہی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآنی آیت أنا أنبئكم بتأويله کو اوَنبئکم بتاویلہ لکھا گیا ہے (ص۵۳۹)، ''طلبہ'' اور ''اعزہ'' کو کئی جگہ ''طلباء'' اور ''اعزاء'' (ص: ۴۷۴، ۴۷۷) کتابت کیا گیا ہے۔ السلام و علیکم (ص۵۳۸، واو درست نہیں)، حدیث میں هاذم اللذّات (ص۵۸۱) کو ہادم دال سے لکھا گیا ہے، جو درست نہیں۔ ص۱۹۶ پر شاہ ولی اللہ کی عبارت میں فاتون عن أنفسهم میں درست فانون (واو سے پہلے نون) لگتا ہے۔ براءت کو برأت (۲۱۹)، حسن البنا کو حسن البناء (۹۳)(ہمزہ کے ساتھ) اور ''اکثر و بیشتر'' کو ''اکثر و پیشتر''

(ص:ف) لکھ دیا گیا ہے۔ مولانا مودودی کا سن وفات ۱۹۷۹ء کے بجائے ۱۹۷۸ء (ص۴۶۷) لکھا گیا ہے۔ ایک عربی شعر کے مصرع "فکن أنت محتالًا لزلّته عذرًا" کو "فکن أنت هونًا لا لزلته عذرا" (ص۵۴۰) کتابت کیا گیا ہے جس سے وہ بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔

❋❋❋❋❋❋